© rasailojaraid.com

مذہبی رواداری اور پرامن بقائے باہمی
قرآن وسنت کی روشنی میں

ڈاکٹر لطف الرحمٰن فاروقی
سابق اسسٹنٹ پروفیسر شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی یونیورسٹی، اسلام آباد

دور حاضر کا انسان تمدنی اعتبار سے ترقی کی معراج کو چھو چکا ہے۔ نت نئی حیران کن ایجادات و انکشافات کے ذریعہ سے اس نے خالق کائنات کے خلیفہ ہونے کا حق ادا کر کے بجا طور پر اس لحاظ سے اپنے آپ کو اس منصب کا اہل ثابت کر دیا کہ:

''وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ۔''(۱)

ترجمہ: ''وہی (اللہ) ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلہ میں زیادہ بلند درجے دیئے تاکہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس سے تمہاری آزمائش کرے''۔

چنانچہ آج کا انسان اس آزمائش میں کامیاب ہونے کے لیے مقابلہ جاری رکھے ہوئے ہے۔ وہ تسخیر کائنات کے ذریعہ سے بھی اس آزمائش میں سرخرو ہونے کے لیے جدوجہد کر رہا ہے۔ کیونکہ خالق کائنات نے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کو اپنے خلیفہ انسان کے لیے مسخر کر دیا ہے۔ ارشاد ہوا:

'' وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ''(۲)

ترجمہ: ''اس (اللہ) نے زمین اور آسمانوں کی ساری ہی چیزوں کو تمہارے لیے مسخر کر دیا، سب کچھ اپنے پاس سے۔ اس میں بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور وفکر کرنے والے ہیں''۔

اس حقیقت کو فلسفی شاعر علامہ محمد اقبال نے انتہائی مؤثر انداز میں بیان کیا ہے۔ روحِ ارضی آدم کو استقبال کرتے ہوئے کہتی ہے۔

بے تاب نہ ہو، معرکۂ بیم و رجا دیکھ!
ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل، یہ گھٹائیں
یہ گنبد افلاک، یہ خاموش فضائیں
یہ کوہ، یہ صحرا، یہ سمندر، یہ ہوائیں(۳)

اس حیران کن کامیابی و کامرانی اور عظیم منصب ملنے کے باوجود انسان اپنے ہی ہم جنس کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک جاری رکھے ہوئے ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے سر شرم سے جھک جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات کا درجہ عطا کیا تھا:

''وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا''(۴)

ترجمہ: ''ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی''۔

اس مرتبہ و منصب کی بلندی پر فائز ہونے کے باوجود انسان نے آج فتنہ و فساد کا جو بازار گرم کر رکھا ہے وہ اس تصویر سے کچھ مختلف نہیں جو قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے کے ماحول کے بارے میں کھینچی تھی۔

''ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ''(۵)

ترجمہ: ''خشکی اور تری میں فساد برپا ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ مزا چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آئیں''۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس فساد کی ہولناکی کی تصویر اس طرح کھینچی تھی:

"وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا۔"(٦)

ترجمہ :"اور تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے (اللہ نے) تم کو اس سے بچالیا"۔

جس دور کو ہم ایامِ جاہلیت یا تاریکی کا دور کہتے ہیں اس کے تناظر میں دیکھا جائے تو آج کا یہ متمدن زمانہ کچھ مختلف نہیں۔ حکیم الامۃ فلسفی شاعر علامہ اقبال نے اسی بات کو یوں بیان کیا:

ابھی تک آدمی صید زبونِ شہر یاری ہے
قیامت ہے کہ انساں نوعِ انساں کا شکاری ہے!
نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے!
وہ حکمت ناز تھا جس پر خرد مندانِ مغرب کو
ہوس کے پنجہ خونیں میں تیغ کارزاری ہے!
تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا
جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ کاری ہے(۷)

انسان اپنے عقیدہ، مذہب، رنگ، نسل، زبان، جغرافیائی اختلافات اور مادی مفادات کی بناء پر نہ صرف ایک دوسرے سے جدا ہوگئے ہیں بلکہ اپنے علاوہ دوسروں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے درپے ہیں مگر اسلام ان تمام اختلافات کو تسلیم کرتے ہوئے ایک عالمی برادری قائم کرتا ہے اور انسان کو تمام تر غلامی سے آزاد کر کے تمام مخلوقات کے خالق و مالک اور رب کے دیئے ہوئے قوانین کے تابع کر دیتا ہے۔

عقیدہ کی آزادی

انسان نے اپنی شعوری زندگی کے آغاز کے ساتھ ہی کوئی نہ کوئی عقیدہ ضرور اختیار کیا ہے۔ وہ اس کائنات پر نظر ڈالتا ہے اور غور وفکر کرتا ہے کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے یا یہ یوں ہی خود بخود وجود میں آ گئی ہے۔ اس کو بنانے والی کوئی ہستی ہے یا یوں ہی ہر چیز خود بخود پیدا ہو جاتی ہے اور اس کائنات کا انجام کیا ہے؟ یہ ابدی و ازلی ہے یا عارضی؟ انسان خود اپنے بارے میں سوچتا ہے کہ وہ یوں ہی بے مقصد دنیا میں آیا یا کسی خالق نے خاص منصوبہ کے تحت کسی مقصد سے اس کو یہاں بھیجا ہے۔ اس دنیا میں اس کا کوئی کردار ہے یا اسے یوں ہی بے مقصد زندگی گزار کر یہاں سے رخصت ہو جانا ہے۔ اس زندگی کے بعد کوئی زندگی ہے یا یہیں اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے؟ اگر ہے تو اس زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اس دنیا میں زندگی گزارنے کے لیے اس کی عقل ہی کافی ہے یا خالق کی طرف سے کسی قسم کی رہنمائی کی بھی

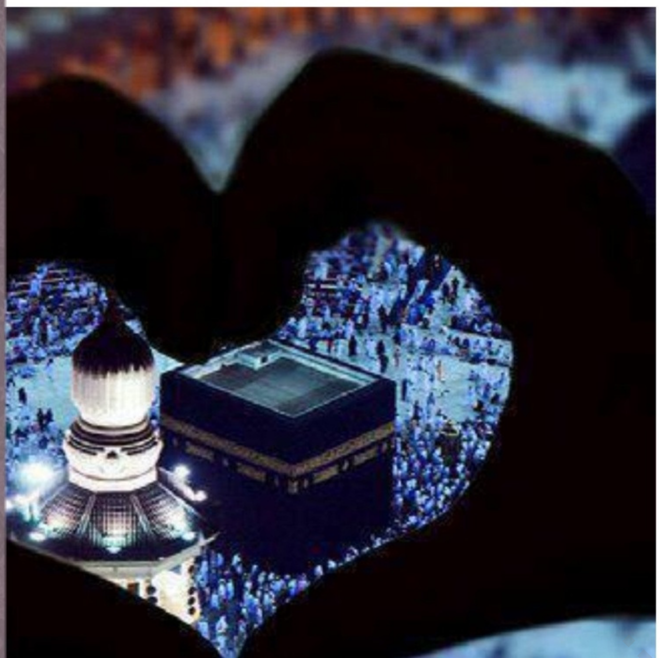

ضرورت ہے؟ یہ اور اس قسم کے بے شمار سوالات کے جواب میں وہ شعوری طور پر اپنے عقائد متعین کرلیتا ہے اور اس عقیدہ کے مطابق زندگی گزارتا ہے۔

انسان اپنے بارے میں، اس کائنات کے بارے میں، تخلیق کائنات کے بعد خالق کے کردار کے بارے میں، اس کائنات میں اپنے کردار کے بارے میں اور یہ کردار ادا کرنے کے سلسلہ میں اپنی خود مختاری یا کسی کا محتاج ہونے کے بارے میں عقیدہ قائم کرنے میں بااختیار ہے۔ باہر کی کسی طاقت کو اپنے خیالات و نظریات اس پر مسلط کرنے کا حق نہیں۔ اسلام کسی پر بھی اپنے عقائد و نظریات زبردستی مسلط نہیں کرتا بلکہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ کسی کے سامنے معقول و مدلل انداز میں اپنے خیالات و نظریات رکھے جائیں جس کو اگر وہ پسند کرے تو اختیار کرلے اور ناپسند کرے تو نہ مانے کیونکہ خالق ہی نے یہ آزادی اس کو دے رکھی ہے۔ لیکن جزا اور سزا کا انحصار اس کے اس ردو قبول پر منحصر ہے۔ اس بات کو قرآن مجید نے انتہائی خوبصورت انداز میں اس طرح بیان کیا:

"وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا۔ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا"(۸)

ترجمہ:"اور (قسم) نفس انسان کی اور اس ذات کی جس نے اسے ہموار کیا، پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیز گاری اس پر الہام کر دی"۔

ایک دوسری جگہ اس بات کو یوں بیان کیا:

"وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ"(۹)

ترجمہ:"اور ہم نے اسے دو راستے دکھا دیئے"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا''(۱۰)

''ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔ ہم نے اس کو راستہ دکھا دیا، خواہ شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا''۔

اسی بات کو اور بھی دوٹوک انداز میں یوں بیان کیا گیا:

'' وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ''(۱۱)

ترجمہ:''اور صاف کہہ دو کہ یہ حق ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے، اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کردے''۔

اللہ تعالیٰ کا یہ منشاء ہرگز نہیں کہ لوگوں کو ان کی مرضی کے خلاف ہدایت پر مجبور کرے بلکہ ہدایت کا ردو قبول اس نے ان کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ''(۱۲)

ترجمہ: ''اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کرسکتا تھا لہذا نادان مت بنو''۔

اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ اگر اس کا منشاء یہ ہوتا کہ دنیا کے تمام انسان ایک ہی مذہب کے پیروکار ہو جائیں تو تمام لوگوں سے مذہبی اختلافات کا اختیار چھین لینا اور سارے انسانوں کو ایک ہی مذہب کا پیروکار بنا دینا اس کے لیے ناممکن نہ تھا۔ یہ کام وہ اپنی تخلیقی قوت ہی سے کرسکتا تھا۔ سب لوگوں کو مومن اور فرماں بردار بنا دیتا مگر اس نے خود ہی انسانوں کو کوئی بھی دین اختیار کرنے کی آزادی دی ہے اور واضح فرما دیا ہے کہ اسی انتخاب آزادی کے لیے جزا اور سزا مقرر ہے۔ جزاء درست انتخاب پر اور سزا غلط انتخاب پر۔ یہی وجہ ہے کہ انسان آزادانہ طور پر مختلف دین و مذہب اختیار کرتا ہے۔ جو گمراہی کی طرف جانا چاہتا ہے، اس کے لیے اسباب موجود پاتا ہے۔ کوئی راہ راست تلاش کرتا ہے تو اس کے لیے اسباب موجود پاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ہدایت کا انتظام فرما دیتا ہے۔ فرمایا:

'' وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ۔ وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ''(۱۳)

ترجمہ:''اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک امت بنا دیتا مگر وہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈالتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہِ راست دکھاتا ہے اور ضرور تم سے تمہارے اعمال کی بازپرس ہو کر رہے گی''۔

ایک اور جگہ اسی حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا۔ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ۔(۱۴)

ترجمہ:''اگر تیرے رب کی مشیت یہ ہوتی (کہ زمین میں سب مومن و فرماں بردار ہی ہوں) تو سارے اہل زمین ایمان لے آئے ہوتے۔ پھر کیا تو لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں؟ کوئی متنفس اللہ کے اذن کے بغیر ایمان نہیں لا سکتا اور اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے وہ ان پر گندگی ڈال دیتا ہے''۔

لوگ اپنی مذہبی آزادی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے خود اللہ کے ساتھ بھی شرک کرنے سے گریز نہیں کرتے حالانکہ اپنی تخلیقی قوت سے انہیں روک سکتا تھا مگر اللہ نے نہ صرف ان کو یہ آزادی دے رکھی ہے بلکہ رسولؐ کو بھی ان کی اس آزادی پر اثر انداز ہونے سے منع کیا گیا۔ ارشاد ہوا:

''وَلَوْشَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا۔ وَمَاجَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا۔ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ''(۱۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ ’’اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو یہ لوگ شرک نہ کرتے، تم کو ہم نے ان پر پاسبان مقرر نہیں کیا ہے اور نہ تم اس پر حوالہ دار ہو‘‘۔

مندرجہ بالا آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر بھی اس کی مرضی کے خلاف دین مسلط نہیں کرتا۔ اگر ایسا ہوتا تو دنیا کا ہر فرد مسلمان ہونے پر مجبور ہوتا مگر پھر اس سے جزا و سزا کا تصور بے فائدہ اور بے ربط ہو جاتا۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین حق صرف اور صرف اسلام ہی ہے، اس لیے کہ یہ دین ایک قادرِ مطلق ہستی نے عطا کیا ہے جو متفقہ طور پر تمام مخلوقات کا خالق، مالک اور رب ہے۔ اس بات کو آل عمران میں یوں بیان کیا گیا ہے:

’’شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہ‘ لَآاِلٰہَ اِلَّاھُوَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ وَ اُولُواالْعِلْمِ قَآئِمًام بِالْقِسْطِ ط لَآاِلٰہَ اِلَّاھُوَالْعَزِیْزُالْحَکِیْمُ۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ‘‘(١٦)

ترجمہ: ’’اللہ نے خود شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی پروردگار نہیں اور فرشتوں اور سب اہل علم نے بھی (یہی شہادت) دی ہے۔ وہ انصاف پر قائم ہے اس زبردست حکیم کے سوا فی الواقع کوئی پروردگار نہیں ہے۔ اللہ کے نزدیک دین حق صرف اسلام ہے‘‘۔

اس واضح حقیقت کے باوجود بعد میں آنے والوں نے مختلف دین بنا لیے اور حقیقی دین سے دور ہو گئے۔ اس آیت میں اسی بات کی نشاندہی یوں کی گئی ہے:

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اِلَّا مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَ ھُمُ الْعِلْمُ بَغْیًام بَیْنَھُمْ (١٧)

ترجمہ: ’’اس دین سے ہٹ کر جو مختلف دین ان لوگوں نے اختیار کیے جنہیں کتاب دی گئی تھی، ان کے اس طرزِ عمل کی کوئی وجہ اس کے علاوہ نہ تھی کہ انہوں نے علم آ جانے کے بعد آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنے کے لیے ایسا کیا‘‘۔

مذہبی رواداری اور پرامن بقائے باہمی

اسلام اس حقیقت کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے کہ دین میں اختلاف ہونا فطری بات ہے بلکہ مروجہ ادیان کے ساتھ پرامن بقائے باہمی کا طرزِ عمل اختیار کرنے کا درس بھی دیتا ہے۔ سورۃ الکافرون میں واضح طور پر اعلان کیا گیا ہے:

’’قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ۔ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ۔ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ۔ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ۔ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ۔ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ‘‘(١٨)

ترجمہ: ’’کہہ دو اے کافرو میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو، نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جن کی عبادت میں کرتا ہوں اور میں نہ ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی عبادت تم نے کی ہے اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی عبادت میں کرتا ہوں۔ تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین۔

ایک مسلمان اپنے دین کی حقانیت، اس کے قابل عمل اور ابدی ہونے پر یقین رکھتے اور اس پر عمل پیرا رہتے ہوئے کسی کو اس کی مرضی کے خلاف زبردستی اپنے دین میں داخل نہیں کرتا بلکہ تاریکی میں مشعل بردار کا کردار ادا کرتا ہے۔ اب چلنے والے کی مرضی ہے کہ وہ روشنی میں سفر کرے یا تاریکی کی راہ چلے۔ اس بات کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے:

’’لَآاِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ م بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی۔ لَا انْفِصَامَ لَھَا۔‘‘(١٩)

ترجمہ: ’’دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔ اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا اس نے ایک مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے‘‘۔

اسلام کسی پر اپنا دین مسلط نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ اللہ نے خود اپنے رسولؐ سے کہا کہ آپ لوگوں کو نصیحت کرتے رہیں، اگر وہ ہدایت قبول نہیں بھی کرتے تو آپ ان پر جبر نہ کریں۔ ارشاد ہوا:

’’فَذَکِّرْ۔ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ۔ لَسْتَ عَلَیْھِمْ بِمُصَیْطِرٍ‘‘(٢٠)

ترجمہ: ’’اچھا تو آپ نصیحت کیے جاؤ، تم بس نصیحت ہی کرنے والے ہو، کچھ ان پر جبر کرنے والے نہیں ہو‘‘۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں تک کہ جو لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑا کرنے آتے ان کے ساتھ بھی سے معقول انداز میں بات کی جاتی اور ایسے پروردگار کا تصور پیش کیا جاتا جو دونوں گروہوں کا مشترکہ پروردگار ہو۔ اگر وہ قائل نہ ہوں اور اپنی ضد پر قائم رہیں تو ان کو اپنے اعمال پر چھوڑ دینے کی تلقین کی جاتی۔ اسلام کے نزدیک ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اپنے عقائد کے مطابق عمل کرنے کی آزادی دی ہے۔ اس آزادی کو سلب کرنے کا حق کسی کو نہیں دیا گیا اور نہ کسی کو کسی پر اپنا عمل زبردستی ٹھونسنے کا حق حاصل ہے اس لیے کسی کو اس حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

”قُلْ اَ تُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ۔ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۔ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ“(۲۱)

ترجمہ: ”ان سے کہہ دیجئے کیا تم اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ وہی ہمارا رب اور تمہارا بھی رب ہے۔ ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے لیے اور ہم اللہ ہی کے لیے اپنی بندگی خالص کر چکے ہیں“۔

اس آیت میں اعمال کے سلسلے میں بھی اختلافات کا حق تسلیم کیا گیا ہے اور ہر مذہب کے پیروکاروں کو اپنے عقائد کے مطابق عمل کرنے کی آزادی دی گئی ہے تاکہ معاشرے میں بدمزگی پیدا نہ ہو اور لوگ ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہ سکیں۔ اس سے بڑھ کر جس بات کی طرف متوجہ کیا گیا وہ یہ ہے کہ ہم دونوں ایک ہی مقصد کے حصول کے لیے اپنی زندگی حاصل کر چکے ہیں اور دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ ہی ہمارا پروردگار ہے۔ چنانچہ ہمارے درمیان آپس کی لڑائی جھگڑا نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ رواداری برتتے رہنا چاہیے۔

اسلام نے نہ صرف دیگر مذاہب کے پیروکاروں اور مختلف نظریات رکھنے والوں کا احترام کیا ہے بلکہ سابقہ کتابوں اور رسولوں کا ماننا ایمان کا لازمی جزو قرار دیتے ہوئے مذہبی رواداری کی تاریخ میں نیا سنگِ بنیاد رکھا ہے۔ اس سلسلہ میں سورہ بقرہ کی یہ آیت خاص طور پر قابل ذکر ہے:

”اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ۔ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ“(۲۲)

ترجمہ: ”رسول اس ہدایت پر ایمان لے آیا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی ہے اور جو لوگ اس رسول کے ماننے والے ہیں انہوں نے بھی اس ہدایت کو دل سے تسلیم کرلیا ہے۔ یہ سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو مانتے ہیں اور ان کا قول ہے کہ ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے، ہم نے حکم سنا اور اطاعت قبول کی۔ مالک ہم تجھ سے خطا کی بخشش کے طالب ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف پلٹنا ہے“۔

دراصل اس آیت میں اسلام کے عقائد اور اسلامی طرزِ عمل کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے اور سابقہ تمام ادیان کو تسلیم کرتے ہوئے دین اسلام کو اس کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تسلسل قرار دیا ہے۔ ایک مسلمان کا امتیاز یہ ہے کہ وہ ہر اس بات کو اپناتا ہے اور ہر اس فرد کو اصولی طور پر اپنا رہنما تسلیم کرتا ہے جو انسانیت کی فلاح و کامرانی کے لیے اللہ کی طرف اس کی رہنمائی کرے اور خود بھی اس کے لیے سرگرم عمل ہو۔ اس ضمن میں سورہ آل عمران میں ارشاد ہوا ہے:

''قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ
عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ
وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى
وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ
اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ''(۲۳)

ترجمہ: ''اے نبی کہو کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں، اس تعلیم کو مانتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے، اس تعلیمات کو مانتے ہیں جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ پر نازل ہوئی تھیں اور ان ہدایات پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو موسٰیؑ، عیسٰیؑ اور دوسرے پیغمبروں کو اللہ کی طرف سے دی گئیں۔ ہم ان کے درمیان فرق نہیں کرتے اور اللہ کے تابع فرمان ہیں''۔

چونکہ اہل کتاب اور اسلام کا سرچشمہ ہدایت ایک ہی ہے اس لیے ان سے الجھنے کے بجائے حکمت اور رواداری سے پیش آنے اور متفقہ اصولوں پر قائم رہنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

''وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ
اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا
بِالَّذِىْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا
وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔
وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ۔ فَالَّذِيْنَ
اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمِنْ هٰٓؤُلَآءِ مَنْ
يُّؤْمِنُ بِهٖ۔ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا
الْكٰفِرُوْنَ''(۲۴)

ترجمہ: ''اور اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقہ سے سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہوں اور ان سے کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں ان چیزوں پر جو ہماری طرف بھیجی گئی ہیں اور ان چیزوں پر بھی جو تمہاری طرف بھیجی گئی تھیں، ہمارا پروردگار اور تمہارا پروردگار ایک ہی ہے اور ہم اسی کے مسلم ہیں۔ اے نبی ہم نے اسی طرح تمہاری طرف کتاب نازل کی ہے، اس لیے وہ لوگ جن کو ہم نے پہلے کتاب دی تھی وہ اس پر ایمان لائے ہیں اور لوگوں میں سے بھی بہت سے اس پر ایمان لا رہے ہیں اور ہماری آیات کا انکار صرف کافر ہی کرتے ہیں''۔

انبیاء و رسل کی یکجہتی کا عظیم مظاہرہ

اسلام کے نزدیک تمام انبیائے کرام ایک ہی سلسلہ نبوت کی مختلف کڑیاں ہیں اور ان کی تعلیمات بھی ایک ہی سرچشمہ ہدایت کے مختلف مظاہر ہیں۔ چنانچہ ان تمام انبیائے کرام کے اتحاد و یک جہتی کا ایک علامتی مظاہرہ معراج کے موقع پر عمل میں آیا۔ معراج سے واپس آنے کے بعد رسول اللہﷺ نے مختلف اوقات میں مختلف حوالوں سے معراج کے واقعات بیان فرمائے جو احادیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ ہم یہاں اختصار و اجمال کے ساتھ متعلقہ واقعہ نقل کرتے ہیں۔ رمضان المبارک کی رات کو منصب نبوت پر فائز ہونے کے دس سال بعد، ۲۷؍رجب کی رات آپؐ اللہ کے حکم سے براق پر سوار ہو کر حضرت جبرائیل کے ہم راہ بیت المقدس میں اترے، دروازے کے قریب اس مقام پر براق کو باندھا جہاں انبیاء علیہم السلام اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ یہ مقام بعد میں ''باب محمدؐ'' سے موسوم ہوا۔

پھر بیت المقدس میں حضرت آدمؑ سے لے کر آپؐ کے زمانہ تک کے تمام انبیاء صف باندھے منتظر تھے۔ حضرت جبرائیلؑ نے آپؐ کو امامت کے لیے آگے کر دیا تو آپؐ کی امامت میں سب انبیاء نے نماز ادا کی۔(۲۵)

عالمی انسانی برادری

اسلام دراصل ایک عالمگیر برادری قائم کرتا ہے اور اس برادری میں ہر قوم و فرد کے انفرادی تشخص کو تسلیم کرتے ہوئے ایک خاندان کا تصور دیتا ہے۔ جس طرح ایک خاندان میں مختلف خیالات کے حامل افراد ایک ہی برادری میں شامل ہو کر ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہوتے ہیں اسی طرح عالمی انسانی برادری میں ہر قسم کے عقائد و نظریات کے حامل مختلف الخیال لوگ اپنا تشخص قائم رکھتے ہوئے تحمل، برداشت اور رواداری کے ساتھ بقائے باہمی کے اصول کے مطابق ایک عالمگیر انسانی برادری میں رہ سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سورہ النساء کی یہ آیت قابل غور ہے، تمام انسانوں کو مخاطب کر کے رب کائنات نے ارشاد فرمایا ہے:

''يٰٓاَيُّهَاالنَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ
مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا
وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً۔
وَاتَّقُوااللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ۔
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا''(۲۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ: ''لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں دنیا میں پھیلا دیئے۔ اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور رشتہ قرابت کو بگاڑنے سے پرہیز کرو یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے''۔

ایک عالمگیر انسانی برادری میں مختلف رنگ ونسل کے اختلاف سے کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان مختلف قوم وقبیلہ میں ہونے کے باوجود اصل میں ایک باپ کی اولاد ہیں اور یہ تقسیم محض تعارف کے لیے ہے۔ تاہم مرتبے کا تعین صرف اعمال اور کارکردگی کی بنیاد پر ہوگا۔ اس بات کی نشاندہی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔'' (۲۷)

ترجمہ: ''لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمہاری قومیں اور برادریاں بنائیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمہارے اندر سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔

چنانچہ رنگ ونسل کی تفریق کرنے والوں کو رسول اللہ ﷺ نے اہل جاہلیت قرار دیا اور فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر قریش سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اے گروہِ قریش! اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور آباء و اجداد پر غرور ختم کر دیا ہے۔ تمام انسان آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے تھے۔ (۲۸)

اس کے بعد اوپر والی آیت تلاوت فرمائی۔

دراصل شروع میں تمام انسان ایک ہی طریقے پر تھے چنانچہ بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ بلاتخصیص دین و مذہب، لسان و ثقافت تمام انسان ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس حقیقت کو قرآن مجید میں یوں بھی بیان کیا گیا ہے:

''کَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔'' (۲۹)

ترجمہ: ''ابتدا میں سب لوگ ایک ہی طریقے پر تھے''۔

عالم انسانیت کے اتحاد و یکجہتی کا مظاہرہ

عالم انسانیت کے اتحاد و یکجہتی کا ایک کلی مظاہرہ عالم ارواح میں اس وقت منعقد ہوا تھا جب انسان کو ابھی دنیا میں نہیں لایا گیا تھا بلکہ وہ سب آدم علیہ السلام کی پشت میں تھے۔ اس اجتماع میں ابتدائے آفرینش سے قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی ارواح کو بلاامتیاز رنگ ونسل اور زبان، جمع کیا گیا تھا۔ اس عالمی اجتماع کے بعد آخری اجتماع میدانِ حشر میں منعقد کیا جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا گیا:

''وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ م بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَاَشْھَدَھُمْ عَلٰی اَنْفُسِھِمْ۔ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ۔ قَالُوْا بَلٰی۔ شَھِدْنَا۔ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا کُنَّا عَنْ ھٰذَا غٰفِلِیْنَ'' (۳۰)

ترجمہ: ''لوگوں کو یاد دلاؤ وہ وقت جب تمہارے رب نے بنی آدم کی پشت سے ان کی نسل کو نکالا تھا اور انہیں خود ان کے اوپر گواہ بناتے ہوئے پوچھا تھا ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں''؟ انہوں نے کہا ''ضرور، آپ ہی ہمارے رب ہیں، ہم اس پر گواہی دیتے ہیں''۔ یہ ہم نے اس لیے کیا کہ کہیں تم قیامت کے روز یہ نہ کہو کہ ہم تو اس بات سے بے خبر تھے''۔

تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے

اسلام بلاتخصیص رنگ ونسل، لسان و ثقافت تمام مخلوق کو اللہ کا کنبہ قرار دیتے ہوئے سب کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کے ساتھ پیش آنے کا درس دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں آپؐ سے منقول ایک حدیث بہت اہم ہے:

''حضرت انسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمام مخلوق اللہ کی عیال ہے اس لیے اللہ کو زیادہ محبوب اپنی مخلوق میں وہ آدمی ہے جو اللہ کی عیال کے ساتھ احسان اور اچھا سلوک کرے''۔ (۳۱)

ترمذی میں منقول ایک حدیث اس سلسلہ میں اور زیادہ ترغیب کا باعث ہے:

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رحم کھانے والوں اور ترحم کا معاملہ کرنے والوں پر اللہ رحمٰن کی خاص رحمت ہوگی، تم زمین والی مخلوق کے ساتھ رحم کا معاملہ کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا'' (۳۲)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس طرح اللہ اپنے کنبے کا خیال رکھتا ہے اسی طرح بندوں پر لازم ہے کہ بحیثیت انسان ایک دوسرے کا خیال رکھیں۔ اس سلسلہ میں ایک حدیث قدسی یوں ہے:

''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا اے ابن آدم! میں بیمار ہوا تھا تو تم نے میری عیادت نہیں کی۔ وہ کہے گا اے میرے رب میں کیسے آپ کی عیادت کرسکتا ہوں جب کہ آپ تمام عالم کے پروردگار ہیں؟ اللہ فرمائے گا کیا

تمھیں معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار پڑا تو تم نے اس کی عیادت نہیں کی۔ کیا تمھیں معلوم نہیں تھا کہ اگر تم نے اس کی عیادت کی ہوتی تو تم مجھے اس کے پاس پاتے۔ پھر اللہ فرمائے گا اے ابن آدم! میں نے تم سے کھانا مانگا تو تم نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ وہ کہے گا اے میرے رب! میں کیسے آپ کو کھلا سکتا ہوں جب کہ آپ سارے جہان کے پروردگار ہیں؟ اللہ فرمائے گا: کیا تمھیں معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تم سے کھانا طلب کیا تو تم نے اس کو کھانا نہیں کھلایا۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اگر تم نے اس کو کھانا کھلایا ہوتا تو اسے (اس کا ثواب) تم میرے پاس پاتے۔ پھر اللہ فرمائے گا: اے ابن آدم میں نے تم سے پانی مانگا تو تم نے مجھے پانی نہیں پلایا، وہ کہے گا اے میرے رب! میں کیسے آپ کو پانی پلاسکتا ہوں جب کہ آپ سارے جہان کے پروردگار ہیں؟ اللہ فرمائے گا کہ تم سے میرے فلاں بندے نے پانی مانگا تھا تو تم نے اسے پانی نہیں پلایا، اگر تم اسے پانی پلاتے تو تم اسے (یعنی اس کی جزا) میرے پاس پاتے۔''(۳۳)

مشترک بابائے ملت

جس طرح تمام انسانوں کا خالق، مالک اور پروردگار ایک ہے، وہ ایک ہی آدم کی اولاد ہیں، اسی طرح تمام ادیانِ سماویٔ کے ماننے والوں کا بابائے ملت بھی ایک ہے۔ آج دنیا میں تین معروف آسمانی مذاہب رائج ہیں اور دنیا کی کل آبادی کا تقریباً چون فی صد ان تینوں مذاہب سے وابستہ ہے۔ ان تینوں مذاہب کے اصل الاصول حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں چنانچہ ایک مشترک جداعلیٰ کے دین میں چلنے میں کچھ حرج نہیں۔ قرآن مجید نے تینوں مذاہب کے پیغمبروں کا جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قرار دیا اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والوں کو مسلم سے موسوم کیا:

''مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ۔ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔''(۳۴)

ترجمہ: ''قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر۔ اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا تھا اور اس (قرآن) میں بھی اس کا یہی نام رکھا ہے۔ تاکہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ''۔

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ اس ملت اسلامیہ کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور اس ملت کا نام پہلے بھی مسلم تھا اور اب بھی یہی نام رکھا گیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو نہ صرف بابائے ملت قرار دیا گیا ہے بلکہ ان کا اور ان کے اصحاب کا اسوۂ حسنہ سب کے لیے نمونۂ عمل قرار پایا:

''قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ--------

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ۔ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ''(۳۵)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ: ''تم لوگوں کے لیے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا، ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو، قطعی بیزار ہیں۔ ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کی عداوت ہوگئی اور بیر پڑ گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔۔۔۔ انہی لوگوں کے طرزِ عمل میں تمہارے لیے اور ہر اس شخص کے لیے اچھا نمونہ ہے جو اللہ اور روزِ آخر کا امیدوار ہو۔ اس سے کوئی منحرف ہو تو اللہ بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے''۔

مندرجہ بالا آیات میں نہ صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسوہ حسنہ کو بلکہ ان کے متبعین کے اسوہ کو بھی قابل تقلید قرار دیا گیا ہے جو امت مسلمہ کے ساتھ ساتھ دیگر اہل کتاب کے بھی مشترکہ اسلاف ہیں۔ اگر تمام اہل کتاب ان اصولوں پر عمل کریں تو پر امن بقائے باہمی کے اصول کے تحت ایک خوشگوار ماحول میں سب مل جل کر رہ سکتے ہیں اور نتیجتاً یہ دنیا امن کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

شائستگی اسلام کی امتیازی خصوصیت

دنیا میں بے شمار عقائد و مذاہب اور فلسفۂ حیات رائج ہیں۔ اسلام نے اپنے پیروکاروں کو نہ صرف ان کے ساتھ پر امن بقائے باہمی کا سبق دیا ہے بلکہ دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کو، یہاں تک کہ تمام انسانی برادری کے خالق و مالک اللہ کے ساتھ شریک کرنے والوں کو بھی برداشت کرنے اور ان سے رواداری اور شائستگی کی تہذیب سکھائی ہے چونکہ ہر عمل کا ردعمل ہوتا ہے اس لیے اللہ اپنے بندوں کو یہ تلقین کرتا ہے کہ کسی کے دیوی یا دیوتا کو بھی برا نہ کہا جائے کیونکہ اس کے ردعمل میں وہ تمہارے پروردگار کو برا کہے گا۔ ارشاد ہوا ہے:

''وَ لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًام بِغَیْرِ عِلْمٍ۔''(۳۶)

ترجمہ: ''اور یہ لوگ اللہ کے سوا جن کو پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بناء پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں''۔

اس آیت میں مسلمانوں کو دوسرے مذاہب کے پیشواؤں اور ان کے معبودوں کو برا کہنے سے قطعاً روک دیا گیا اور بتایا گیا ہے کہ جو مسلمان ایسا کرے گا اس پر خود اللہ کو برا کہنے کی ذمہ داری عائد ہوگی۔ اس صورت میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی مسلمان یہ تصور بھی نہیں کرسکتا ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کے رہنماؤں اور معبودوں کو برا بھلا کہے۔ ایک حدیث میں تمثیل کے ذریعہ سے یہ بات ذہن نشین کرائی گئی ہے اور اس حرکت کو کبیرہ گناہ کہا گیا ہے:

''حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بڑے گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والدین پر لعنت کرے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یارسولؐ اللہ! یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ ایک شخص اپنے والدین پر لعنت کرے؟ آپؐ نے فرمایا کہ جب یہ کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔''(۳۷)

اسلام اپنے پیروکاروں کو جو تہذیب سکھاتا ہے اس میں کٹر سے کٹر دشمن کے ساتھ بھی نرمی و شائستگی سے پیش آنے کی تلقین ہے۔ فرعون کے دربار میں پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سلسلہ میں جو ہدایات دی تھیں قرآن مجید نے ان کو نقل کر کے مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا:

'' اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِیْ وَلَا تَنِيَا فِیْ ذِكْرِیْ۔ اِذْهَبَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی۔ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰی ''(۳۸)

ترجمہ: ''جاؤ تم اور تمہارا بھائی میری نشانیوں کے ساتھ اور دیکھو تم میری یاد میں تقصیر نہ کرنا۔ جاؤ تم دونوں فرعون کے پاس کہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔ اس سے نرمی سے بات کرنا شاید کہ وہ نصیحت قبول کرلے یا ڈر جائے۔''

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا:

''اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی۔ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓی اَنْ تَزَكّٰی۔ وَاَهْدِيَكَ اِلٰی رَبِّكَ فَتَخْشٰی ''(۳۹)

ترجمہ: ''فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا ہے اور اس سے کہو کہ تو اس کے لیے تیار ہے کہ پاکیزگی اختیار کرے اور میں تیرے رب کی طرف سے تیری رہنمائی کروں تو تیرے اندر خوف پیدا ہو''

رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کو اللہ تعالیٰ نے قابل عمل نمونہ کے طور پر تمام انسانیت کے سامنے پیش کیا کیونکہ آپؐ کی سیرت میں انسانیت کے لیے رحمت، شفقت اور شائستگی کمال حد تک موجود تھی۔ اس بات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے رحمت قرار دیتے ہوئے فرمایا:

''فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ۔ وَلَوْكُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْلَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ۔ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ''(۴۰)

ترجمہ: ''یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے بڑے نرم مزاج واقع ہوئے ہو، ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گردو پیش سے چھٹ جاتے۔ ان کے قصور معاف کردو، ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو اور دین کے کام میں ان کو بھی شریکِ مشورہ رکھو۔ پھر تمہارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسا کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اس کے بھروسے پر کام کرتے ہیں''۔

غیر مذہب و ثقافت کے ساتھ بقائے باہمی

اسلام اپنے پیروکاروں کو جو تہذیب سکھاتا ہے اس میں کسی انسان کو اس کے عقیدہ، مذہب یا ثقافت کی وجہ سے اپنا دشمن قرار نہیں دیتا بلکہ ہر اس فرد سے جو دین کی بنیاد پر مسلمانوں سے لڑائی نہیں کرتا یہ توقع رکھتا ہے کہ ایک نہ ایک دن وہ مسلمانوں سے ضرور محبت کرے گا، اس لیے وہ اپنے پیروکاروں کو تلقین کرتا ہے کہ اس قسم کے لوگوں سے نیکی اور انصاف کا برتاؤ کیا جائے اور رشتہ داری اور برادری کے لحاظ سے ان کے حقوق ادا کرتے رہنا چاہیے۔ اس بات کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے:

'' لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ''(۴۱)

ترجمہ: ''اور اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس آیت کی رو سے مسلمانوں کو اپنے کافر رشتہ داروں اور والدین سے حسن سلوک روا رکھنے کو کہا گیا اور یہ توقع ظاہر کی گئی کہ ہو سکتا ہے کہ عنقریب ان لوگوں کے دل میں تمہارے لیے محبت پیدا ہو۔ یہ بات اس وقت کہی گئی تھی جب کوئی شخص بھی یہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ اس کا کیا نتیجہ نکلے گا مگر اس آیت کے نزول کے چند ہی ہفتے کے اندر اندر مکہ فتح ہوا اور اہل قریش فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے۔ جس چیز کی انہیں امید دلائی گئی تھی وہ واضح ہو کر سامنے آئی اور مکہ کے لوگ اسلامی برادری میں داخل ہو گئے جب کہ اس سے پہلے وہ مسلمانوں کے خون کے دشمن تھے۔

تاہم جو لوگ مسلمانوں پر ظلم ڈھاتے ہیں اور اس ظلم میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں، اس حال میں ان سے دوستی کرنا نہ صرف لاحاصل بلکہ خطرناک بھی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے متعلق بھی اصول بیان کر دیا، ارشاد ہوا:

"اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِی الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ"(۴۲)

ترجمہ: "وہ (اللہ) تمہیں جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ تم ان لوگوں سے دوستی کرو جنہوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے اخراج میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے، ان سے جو لوگ دوستی کریں وہی ظالم ہیں"۔

ان آیات میں جو اصول بیان کیا گیا ہے اس پر عمل پیرا ہونا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے۔ چنانچہ ایک اچھا مسلمان بلاتخصیص دین و ثقافت، ہر شریف انسان کے ساتھ پرامن بقائے باہمی کے اصول پر خوشگوار تعلقات قائم رکھتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد اسلامی ریاست وجود میں آئی۔ اس وقت مدینہ میں انصار کے علاوہ یہودیوں کے تین بڑے قبائل بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع کی آبادی موجود تھی اور یہ لوگ تجارت، صنعت اور زراعت کے میدان میں زیادہ سرگرم تھے۔ آپؐ نے مدینہ تشریف لے جانے کے بعد وہاں کی کثیر المذاہب و ثقافت کی حامل آبادی کے لیے ۵۳ نکات پر مشتمل ایک تحریری دستور نافذ فرمایا جس میں ہر گروہ کے حقوق و فرائض متعین کر دیئے گئے۔ اس دستور کو ہم کثیر المذاہب و ثقافت کے حامل مخلوط معاشرے کے لیے پرامن بقائے باہمی کی اولین تحریر دستاویز قرار دے سکتے ہیں۔ ابن اسحاق کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین و انصار کے درمیان ایک تحریر لکھ دی جس میں یہود سے معاہدہ بھی شامل تھا۔ اس کے مطابق ان کے دین و مال کی حفاظت کا یقین دلایا گیا تھا، ان کے حقوق بھی واضح کیے گئے تھے اور ان پر شرطیں بھی عائد کی گئی تھیں۔(۴۳) یہاں تک کہ حضرت معاذ بن جبلؓ کو رسول اللہ ﷺ نے یمن جو تحریر بھیجی تھی اس میں ان کو واضح ہدایت دی تھی کہ "کسی یہودی کو اس کے دین سے برگشتہ نہ کیا جائے"۔(۴۴)

دشمنی میں بھی رواداری

اسلام نہ صرف اپنے مخالفین کے ساتھ عام حالات میں رواداری برتتا ہے بلکہ اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی عدل و انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے کیونکہ اسلام دنیا کے تمام انسانوں کے ایک ماں باپ کی اولاد ہونے پر یقین رکھتا ہے۔

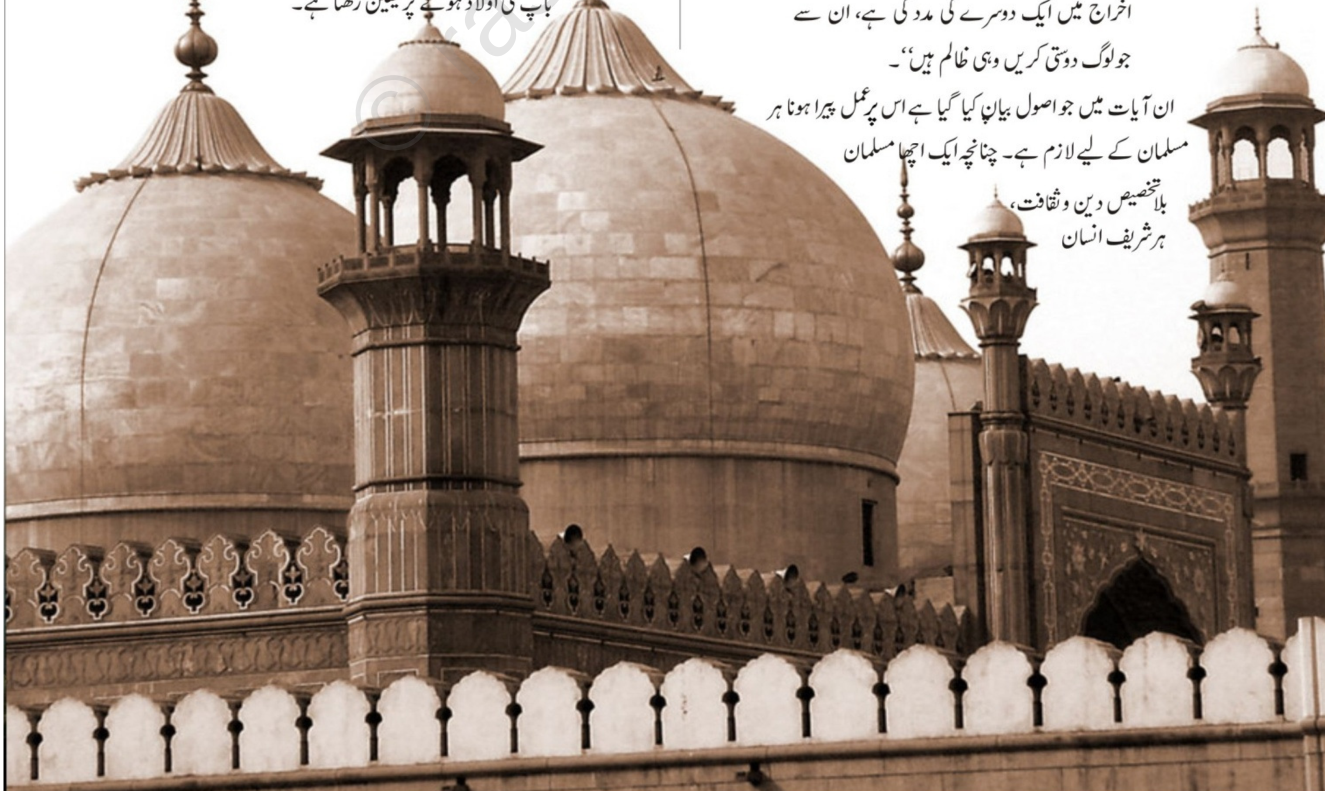

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ انہیں مسلمہ شعائر کا احترام کرنے کی تاکید کرتا اور نیکی میں تعاون کے اصول بھی بتاتا ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ حکم اس وقت دیا گیا جب مسلمانوں اور مشرکین عرب کے درمیان جنگ برپا تھی اور خانہ خدا پر مشرکین کا قبضہ تھا اور خانہ خدا کی طرف جانے والے اکثر قبیلوں کے راستے مسلمانوں کی زد میں تھے۔ اس حالت میں رب العالمین ایمان والوں سے فرماتا ہے:

’’یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰہِ وَلَا الشَّھْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْھَدْیَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّھِمْ وَ رِضْوَانًا۔ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی۔ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ وَاتَّقُوا اللّٰہَ۔ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُالْعِقَابِ‘‘(۴۵)

ترجمہ: ’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی نشانیوں کو بے حرمت نہ کرو، نہ حرام مہینوں میں سے کسی کو حلال کرو، نہ قربانی کے جانوروں پر دست درازی کرو، نہ ان جانوروں پر ہاتھ ڈالو جن کی گردنوں میں نذرِ خداوندی کی علامت کے طور پر پٹے پڑے ہوئے ہوں نہ کہ ان لوگوں کو چھیڑو جو اپنے رب کے فضل اور اس کی خوشنودی کی تلاش میں مکانِ حرم کی طرف جا رہے ہوں، ہاں جب احرام کی حالت ختم ہو جائے تو تم شکار کر سکتے ہو اور دیکھو ایک گروہ نے جو تمہارے لیے مسجد حرام کا راستہ بند کر دیا ہے تو اس پر تمہارا غصہ تمہیں اتنا مشتعل نہ کردے تم بھی ان کے مقابلے میں نا روا زیادتیاں کرنے لگو۔ نہیں جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو، اس کی سزا بہت سخت ہے‘‘۔

ایک اور آیت میں عدل و انصاف کو تقویٰ سے قریب ترین عمل قرار دیا اور فرمایا:

’’یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْاکُوْنُوْا قَوَّامِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا۔ اِعْدِلُوْا۔ ھُوَاَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی‘‘(۴۶)

ترجمہ: ’’اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ، عدل کرو یہ تقویٰ سے قریب ترین ہے‘‘۔

مذکورہ بالا آیت میں دشمنوں کے ساتھ بھی انصاف اور عدل کے ساتھ معاملات کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ حکم اس وقت دیا گیا جب مخالفین، اسلام کے ایسے سخت دشمن تھے کہ مسلمانوں کو ان کے مذہبی فرائض ادا کرنے سے روک چکے تھے اور انہیں وطن سے بے وطن کر چکے تھے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور ان کے پیروکاروں کو ایذا پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے اصحاب صبر و تحمل سے کام لیتے رہے۔ جس مسلمان کو یہ تہذیب سکھائی گئی ہو وہ کس طرح متشدد اور انتہا پسند ہوسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب نے مکی زندگی میں ناقابل بیان ظلم و تشدد برداشت کیا مگر اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ قرآنی تعلیمات پر عمل کرے اور سنت کو تھامے رکھے۔

مسلمان سراپا خیر

ایک حقیقی مسلمان انسانیت کے لیے سراپا کارآمد اور نفع بخش ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے مصروفِ عمل رہتا ہے۔ اس کی کوئی بھی سرگرمی انسانیت کے خلاف نہیں ہوتی۔ اس کی مثال کھجور کے درخت کی مانند ہے۔ جس طرح دنیائے عرب میں کھجور کا درخت انسان کے لیے مفید و کارآمد ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ ہرا بھرا تروتازہ، پھل پھول اور سایہ سے مالا مال رہتا ہے۔ اس پر کبھی خزاں نہیں آتی۔ مسافر اس کے سایہ میں دھوپ اور گرمی سے پناہ لیتا ہے اور اس کے پھل سے غذا حاصل کرتا ہے۔ تنا، پتے، گھٹلی، ہر چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس کی کوئی چیز انساں کے لیے بے کار اور نقصان دہ نہیں ہوتی۔ اسی طرح ایک مسلمان انسانیت کے لیے خیر ہی خیر ہوتا ہے۔ اس کا کوئی بھی عمل بے کار اور مضر نہیں ہوتا۔ اس بات کو رسول اللہ ﷺ نے دل نشیں کرنے کی غرض سے ایک مثال کے ذریعہ سے بیان فرمایا جو متعدد راویوں سے بخاری اور مسلم میں منقول ہوئی ہے۔ امام مسلم کی ایک روایت یوں ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبداللہ بن دینار سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما کو یہ فرماتے سنا:

> ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: درختوں میں سے ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور اس کی مثال مسلمان کی طرح ہے۔ اب تم مجھے بتاؤ کہ وہ کون سا درخت ہے؟ پس لوگوں کا خیال جنگل کے درختوں کی طرف گردش کرنے لگا۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا: میرے دل میں یہ خیال آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے، مگر میں نے بتانے میں شرم محسوس کی۔ پھر صحابہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! آپ ہی ہمیں بتا دیں کہ وہ کون سا درخت ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: وہ کھجور کا درخت ہے۔ کہتے ہیں پھر میں نے اس بات کا ذکر حضرت عمرؓ سے کیا تو انہوں نے کہا: اگر تو کہہ دیتا کہ وہ کھجور کا درخت ہے تو یہ میرے نزدیک فلاں فلاں چیز سے زیادہ پسندیدہ ہوتا''۔(۴۷)
>
> مسلم ہی میں حدیث رقم ۱۰۰۷ کے مطابق مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ جب آپؐ کی خدمت میں کھجور کے درخت کا گودا پیش کیا گیا تو آپؐ نے یہ حدیث بیان فرمائی۔

حکیم الامت کی رائے

آخر میں حکیم الامت، فلسفی شاعر علامہ محمد اقبال کی وہ رائے پیش کرنا انتہائی مناسب ہوگا جو انہوں نے دنیائے فانی سے رخصت ہونے سے چند دن بیشتر اظہار خیال کرتے ہوئے دی:

> ''اگر عالم بشریت کا مقصد اقوام انسانی کا امن، سلامتی اور ان کی موجودہ اجتماعی حیثیتوں کو بدل کر ایک واحد اجتماعی نظام قرار دیا جائے تو سوائے نظام اسلام کے کوئی اور اجتماعی نظام ذہن میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ جو کچھ قرآن سے میری سمجھ میں آیا ہے اس کی رو سے اسلام محض انسان کی اخلاقی اصلاح ہی کا داعی نہیں، بلکہ عالم بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب چاہتا ہے جو اس کے قومی اور نسلی نقطہ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے۔ تاریخ ادیان اس بات کی شاہد و عادل ہے کہ قدیم زمان میں ''دین'' قومی تھا، جیسے مصریوں، یونانیوں اور ہندیوں کا، بعد میں نسلی قرار پایا جیسے یہودیوں کا۔ مسیحیت نے یہ تعلیم دی کہ دین انفرادی اور پرائیویٹ ہے جس سے بدبخت یورپ میں یہ بحث پیدا ہوئی کہ دین چونکہ پرائیویٹ عقائد کا نام ہے اس واسطے انسانوں کی اجتماعی زندگی کی ضامن صرف ریاست ہے۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے بنی نوع انسان کو سب سے پہلے یہ پیغام دیا کہ دین نہ قومی ہے، نہ نسلی، نہ انفرادی، نہ پرائیویٹ، بلکہ خالصتاً انسانی ہے اور اس کا مقصد باوجود تمام فطری امتیازات کے، عالم بشریت کو متحد و منظّم کرنا ہے''۔(۴۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حوالہ جات

۱- القرآن الکریم، الانعام(۶: ۱۶۵)۔

۲- ایضاً، الجاثیہ (۴۵: ۱۳)

۳- اقبال، روحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے، بال جبریل،ص ۱۳۲۔

۴- ایضاً، بنی اسرائیل(۱۷: ۷۰)

۵- ایضاً، روم (۳۰: ۴۱)

۶- ایضاً، آل عمران (۳: ۱۰۳)

۷- محمد اقبال، علامہ، طلوع اسلام، بانگ درا کلیات اقبال اردو، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز،ص ۲۷۴۔

۸- القرآن الکریم، الشمس (۹۱: ۱۰)

۹- ایضاً، البلد (۹۰: ۱۰)

۱۰- ایضاً، الدھر (۷۶: ۲-۳)

۱۱- ایضاً، الکہف (۱۸: ۲۹)

۱۲- ایضاً، الانعام (۶: ۳۵)

۱۳- ایضاً، النحل (۱۶: ۹۳)

۱۴- ایضاً، یونس (۱۰: ۹۹-۱۰۰)

۱۵- ایضاً، الانعام (۶: ۱۰۷)

۱۶- ایضاً، آل عمران (۳: ۱۸-۱۹)

۱۷- ایضاً، ۱۹

۱۸- ایضاً، الکفرون (۱۰۹: ۱-۶)

۱۹- ایضاً، البقرہ (۲: ۱۵۶)

۲۰- ایضاً، الغاشیہ (۸۸: ۲۱-۲۲)

۲۱- ایضاً، البقرہ (۲: ۱۳۹)

۲۲- ایضاً، ۲۸۵

۲۳- ایضاً، آل عمران (۳: ۸۴)

۲۴- ایضاً، العنکبوت (۲۹: ۴۶-۴۷)

۲۵- ابن ہشام، سیرت النبی کامل، جلد اول، باب ۴

۲۶- القرآن الکریم، النساء (۴: ۱)

۲۷- ایضاً، الحجرات (۴۹: ۱۳)

۲۸- ابن ہشام، ایضاً، جلد دوم، باب ۱۴۸ (فتح مکہ)

۲۹- القرآن الکریم، بقرہ (۲: ۲۱۳)

۳۰- ایضاً، الاعراف (۷: ۱۷۲)

۳۱- معارف الحدیث، جلد ۴، مرتبہ منظور نعمانی، کتاب المعاشرہ و المعاملات، رقم ۱۱۹، بحوالہ بیہقی۔

۳۲- الترمذی، ابی عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ ابن موسیٰ، جامع الترمذی، ابواب البرو الصلۃ، باب ماجاء فی رحمۃ الناس، رقم ۱۸۲۴۔

۳۳- مسلم، صحیح مسلم، کتاب البروالصلۃ و الادب، باب فضل عیادۃ المریض، رقم ۶۵۵۶۔

۳۴- القرآن الکریم، الحج (۲۲: ۷۸)

۳۵- ایضاً، الممتحنہ (۶۰: ۴-۶)

۳۶- ایضاً، الانعام (۶: ۱۰۸)

۳۷- بخاری، جامع الصحیح، کتاب الاداب، باب لایسب الرجل ولدیہ، رقم ۵۹۷۳۔

۳۸- القرآن الکریم، طٰہٰ (۲۰: ۴۲-۴۳)

۳۹- ایضاً، النزعٰت (۷۹: ۱۷-۱۹)

۴۰- ایضاً، آل عمران (۳: ۱۵۹)

۴۱- ایضاً الممتحنہ (۶۰: ۸)

۴۲- ایضاً، ۹

۴۳- ابن ہشام، ایضاً، جلد اول باب ۴۶۔

۴۴- بلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر الشہری (بغداد ۲۰۳-۲۷۹ھ) فتوح البلدان، مترجم سید ابوالخیر مودودی، کراچی، نفیس اکیڈمی، طبع سوم ۱۹۸۶ء، ص ۱۱۷۔

۴۵- القرآن الکریم، المائدہ (۵: ۲)

۴۶- ایضاً، ۸

۴۷- مسلم، صحیح مسلم، کتاب صفات المنفقین، باب مثل المومن مثل النخلۃ، حدیث رقم ۷۰۹۸۔

۴۸- محمد اقبال، علامہ، جغرافیائی حدود اور مسلمان، مشمولہ، مقالاتِ اقبال، مرتبہ سید عبدالواحد معینی، ایم اے (اکسن) محمد عبداللہ قریشی، لاہور، آئینہ ادب، طبع دوم ۱۹۸۸ء ص ۲۶۵-۲۶۶

© rasailojaraid.com